شعریات

اقبالؒ کی امیجری کے چند اساسی پہلو

ڈاکٹر توقیر احمد خان

شاعری کے محاسن میں مختلف عناصر کارفرما ہوتے ہیں۔ مشرقی شعریات میں صنائع، بدائع، تخیل، محاکات کو خاصا دخل ہے۔ البتہ مغرب میں کچھ دُوسرے تصورات بھی متعارف ہیں جن میں ایک امیجری یعنی پیکر تراشی ہے .... اقبالؒ کے کلام میں پیکر تراشی اپنی گوناگوں اقسام کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

اقبال کی امیجری

امیجری' کی اصطلاح جس قدر ادبی ہے، اسی قدر نفسیاتی بھی[1] ـــــ لغت میں پیکر Image کے معنی "ذہنی تصویر" کے ہیں اور پیکر تراشی Imagery ادبی و لسانی معنوں میں مجموعی پیکر Images collectively ہے[2]۔ انگریزی تنقید نگاروں نے اسے "لفظی تصویر" word picture لکھا ہے[3] ـــــ واضح طور پہ ذہن میں آنے والی وہ تصویریں جو لفظوں کے ذریعے منعکس ہوتی ہیں، پیکر ہیں۔ پردۂ ذہن پر تخیّل کی تراشی ہوئی یہ تصویریں تشبیہ، استعارہ، کنایہ، رمز، علامت، اشارہ اور لفظوں کی تکرار کے ذریعے فن کار کی امیجری کی تشکیل کرتی ہیں[4]۔ یہ مصنّف کی کاوشوں میں جذبات و کیفیات کے مصوّرانہ بیان کی شکل میں نمودار ہوتی ہیں[5]۔ نفسیاتی اعتبار سے انہیں بصارت، سماعت، شامّہ، ذائقہ، لامسہ اور اعضا و عضلات کی رُو سے اور لسانی اعتبار سے ـــــ بصری اور تخیلی ـــــ دو اہم حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ علامتی، تشبیہاتی اور استعاراتی، تلمیحاتی اور اساطیری پیکروں میں بانٹا جا سکتا ہے۔

اقبال ایک مفکّر شاعر ہیں ـــــ فکر و فلسفہ کی آمیزش نے ان کے کلام کو امتیازی خصوصیت بخشی ہے۔ اقبال کے فکر کی طرح ان کی شاعری کا مطالعہ بھی ہمیں ادب کی نئی جہات کے تعارف کی دعوت دیتا ہے بلکہ شعرِ اقبال کی تفہیم کے لیے عربی، فارسی اور انگریزی ادب کا گہرا مطالعہ ناگزیر ہے جو مشرق و مغرب کے کلاسیکی ادب سے واقفیت کے بغیر ممکن نہیں۔ گویا یہ بات آسانی سے کہی جا سکتی ہے کہ اقبال کی شعری جہات بے حد وسیع اور متنوّع ہیں جن کا احاطہ

کرنا مشکل ہے۔

اقبال کی شاعرانہ عظمت میں فکر اور فن کا حسین امتزاج شامل ہے ۔ وہ ایک عظیم مفکر تو ہیں ہی، ایک لازوال فن کار بھی ہیں ۔ فن کی عظمت میں ان کی فکر کو سب سے زیادہ دخل ہے کیونکہ فن کی عظمت کا انحصار فکر کی ابدی اور آفاقی قدروں پہ ہے۔

فن میں تابندگی، گہرائی اور آفاقیت، فکر کے تناظر ہی سے پیدا ہوتی ہے اس لیے اقبال کے فن پہ گفتگو کرتے ہوئے اقبال کی فکر کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اقبال کے سامنے اپنے مخصوص پیغام کے ابلاغ کا مسئلہ تھا جس کے لیے انہوں نے شاعری کا سہارا لیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اقبال کی شاعری اور فکر کے بہترین حصے وہی ہیں جہاں دونوں میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے ۔ اس مضمون میں اقبال کے فن کارانہ مختلف اسالیب کا جائزہ مقصود ہے اور اس جائزے میں صرف ایک ہی پہلو کا مختصر تجزیہ ممکن ہوگا۔

گو اقبال پر تصانیف کی تعداد کثیر ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اقبال کے فن اور شاعری پہ معتبر تحقیقی کاوشوں کی اب بھی گنجائش موجود ہے' اسی لیے اس مضمون میں اقبال کو اس زاویے سے دیکھا گیا ہے۔

شاعری کے محاسن میں مختلف عناصر کارفرما ہوتے ہیں ۔ مشرقی شعریات میں صنائع، بدائع، تخیل اور محاکات کو خاصا دخل رہا ہے' البتہ مغرب میں کچھ دوسرے تصورات بھی کارفرما رہے ہیں اور ان میں ایک "امیجری" بھی شامل ہے ۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مشرق میں امیجری کا تصور سرے سے ناپید ہے یا حسن آفرینی کا یہ نکتہ اہلِ مشرق کی نگاہوں سے روپوش رہا ہے ۔ یہ فنی نکتہ دوسرے تلازموں کے ساتھ برتا جاتا رہا ہے جس کی مجموعی طور پر تصویر کشی، تخیل آفرینی یا محاکات کے حسین امتزاج سے کی جاتی رہی ہے ؛ تاہم یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہمارے ادب میں اس کی وہ منظم یا واضح صورت نہیں ملتی جو مغرب میں ہے ۔ بیسویں صدی میں انگریزی ادبیات کے گہرے مطالعے نے ہمارے شعر و ادب کو مختلف سمتوں سے متاثر کیا، ان میں پیکر تراشی ایک اہم جہت ہے۔

فن کار کے تمام تر تجربات اور مشاہدات اس کے ذہنی ذخیرے کا حصہ بنتے رہتے ہیں جن کا اظہار مختلف اوقات میں اس کے فن پاروں میں ہوتا رہتا ہے ۔ شاعر کے اس ذخیرے میں تخیل کی کارفرمائی لفظوں سے بنی ہوئی تصویروں کی شکل میں نظر آنے لگتی ہے ۔ بسا اوقات آنکھوں کے سامنے مناظر کا پورا نقشہ کھنچ جاتا ہے ۔ حسنِ شعر کا یہ جزو کلام میں بدرجۂ اتم موجود ہے

وادیِ کہسار میں غرقِ شفق ہے سحاب
لعلِ بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب[6]

قلب و نظر کی زندگی، دشت میں صبح کا سماں
چشمۂ آفتاب سے نُور کی ندیاں رواں[7]

اقبال کے کلام میں پیکر تراشی کی انواع و اقسام کی مثالیں ملتی ہیں۔ ان کی امیجری کا مطالعہ کرتے وقت سب سے پہلے یہی دشواری سامنے آتی ہے کہ مختلف اوصاف اور خصوصیات کے لحاظ سے اقبال کے پیکروں کی تقسیم کس طرح کی جائے ـــــ کیونکہ اقبال کے یہاں استعمال ہونے والے پیکر کسی خاص قسم کے زمرے میں نہیں آتے بلکہ ان کا شمار مختلف قسم کے گروہوں میں ہوتا ہے ـــــ مثال کے طور پر ایک پیکر "ساقی" کو لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ پیکر بصری تصویر سے تعلق رکھتا ہے ـــــ اس کا شمار مرئی پیکر تراشی کے باب میں ہونا چاہیے ـــــ لیکن اسی کے ساتھ "ساقی" "متحرک اور فعال بھی ہے کہ حرکت و عمل کا پیکر ہے ـــــ تو اسے متحرک پیکر تراشی کے ذیل میں آنا چاہیے۔ ہمارے ہاں "ساقی نامہ" لکھنے کی روایت بڑی معروف رہی ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ اقبال نے "ساقی" کا پیکر اردو فارسی غزل کی روایت سے مستعار لیا ہے جو مشرقی تہذیب و ثقافت کا ایک مظہر ہے، اس لیے اسے ثقافتی پیکر تراشی کے ذیل میں آنا چاہیے۔ علاوہ ازیں اقبال کی شاعری میں وہ کہیں تشبیہ اور کہیں استعارے کے طور پر استعمال ہوا ہے اس لیے اُسے تشبیہاتی اور استعاراتی پیکر بھی کہا جاسکتا ہے۔ مزید براں اقبال "ساقی" کو ایک علامت بنا کر پیش کرتے ہیں چنانچہ یہ علامتی پیکر تراشی بھی ہے ـــــ غرض یہ کہ اقبال کے ہاں اس پیکر کی مختلف صورتیں ہیں جن کی درجہ بندی کرنا دشوار ہی نہیں تقریباً ناممکن ہے۔ اقبال کی شاعری میں بیشتر پیکروں کا یہی حال ہے کہ انواع واقسام کے لحاظ سے انہیں کسی خاص زمرے میں نہیں رکھا جاسکتا کیونکہ اقبال کے ہاں ایک پیکر کے مختلف اظہار ملتے ہیں۔

فطرت کے خوبصورت مناظر، کائناتِ قدرت میں صفِ اوّل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اقبال کی شاعری میں مناظرِ فطرت کے خوش نما پیکروں کے عمدہ نمونے ملتے ہیں ؎

گرد سے پاک ہے ہوا، برگِ نخیل دُھل گئے
ریگِ نواحِ کاظمہ نرم ہے مثلِ پرنیاں

"ریگِ نواحِ کاظمہ" اقبال کی امیجری کی تاریخی و تہذیبی پیکر تراشی کا مرقع ہے۔ جسے ایک صحرائی پس منظر کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ صحرا کو اقبال کی علامتوں میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اقبال نے اس میں نئی معنویت پیدا کی ہے کہ

مردِ صحرا پاسبانِ فطرت است

دریا، پہاڑ، آفتاب، سبزہ، موتی، شبنم اور قطرہ وغیرہ اقبال کے اشعار کی زینت بڑھاتے ہیں اور حسنِ ازل کے ہزاروں پہلو ہمارے سامنے لاتے ہیں:

بحرِ مواج: وسعت و بیکرانی
کوہ: عظمت و بلندی
شبنم: نشوونما اور
گوہر: تقویمِ ذات کی نشانیاں بن جاتی ہیں۔

باطنی کیفیات کے نمایاں اظہار کے لیے اقبال کے ہاں فطرت کے دیگر مظاہر بھی پیکروں کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں جن میں ستارہ، بجلی، سیماب وغیرہ اہم ہیں۔ مظاہرِ فطرت کے جملہ پیکروں میں جوئے آب یا جوئے کہستاں خاص اہمیت کی حامل ہے۔ ندی کی پیہم روانی، مسلسل جدوجہد، حصولِ منزل کی دُھن، رکاوٹوں اور مشکلات کا مقابلہ ایسے حقائق ہیں جو انسانی زندگی کے لیے حیاتِ نو کا مژدہ بن کر سامنے آتے ہیں۔ ندی کا روح پرور منظر اور انوکھی دلکشی اقبال کی مرئی اور متحرک امیجری کا واضح نمونہ ہیں اور "زندہ رود" کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ عزم محکم، جانفشانی اور حصولِ مقصد کی سچی لگن کے راز ندی کی رواں دواں چال میں مضمر ہیں۔ ندی کے پانی کی تازگی زندگی کی تازگی کی علامت ہے جس کو اقبال نے اپنے فلسفۂ حیات کے گہرے فکری پہلو کی صراحت کے لیے استعمال کیا ہے۔

کلیم الدین احمد اپنی کتاب "اقبال — ایک مطالعہ" میں لکھتے ہیں:

"چشمے کا پانی برابر رواں ہے، ایک لمحہ اسے قرار نہیں، اس لیے لمحہ بہ لمحہ بدلتا رہتا ہے — لیکن چشمہ ہمیشہ جاری ہے۔ یہی حال زندگی کا ہے۔ زندگی کا سلسلہ کبھی نہیں ٹوٹتا۔ اس سلسلے کو

موت بھی نہیں توڑ سکتی ہے[۱۰]

عزیز احمد نے "اقبال — نئی تشکیل" میں "جوئے آب" کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"دریا کی روانی زندگی کی روانی ہے۔ "جوئے آب" گوئٹے کے "نغمۂ محمد" سے ماخوذ ہے۔ زندگی کی روانی کی نظم ہے۔"[۱۱]

زی بحرِ بیکرانہ چہ مستانہ می رود
در خود یگانہ از ہمہ بیگانہ می رود[۱۲]

لالہ، اقبال کی شاعری میں علامتی پیکر بن کر ابھرتا ہے اور ان کے فکر و پیغام کی ایک واضح علامت بن جاتا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ غیر ذی روح علامتی پیکروں میں لالے کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ لالہ صرف شعری علامت ہی نہیں بلکہ اقبال اس کو تہذیبِ حجازی کی وسعت، شوکت اور عظمت کی علامت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

خیاباں میں ہے منتظر لالہ کب سے
قبا چاہیے اس کو خونِ عرب سے[۱۳]

یہ چمن وہ ہے کہ تھا جس کے لیے سامانِ ناز
لالۂ صحرا جسے کہتے ہیں تہذیبِ حجاز[۱۴]

لالے کا خونیں کفن، ٹپکتا ہوا لہو اور سرخ قبا، امتِ مسلمہ کے منصبِ شہادت اور داستانِ حرم کی رنگینی کی یاد تازہ کراتے ہیں اور سیدنا اسمٰعیلؑ کی قربانی اور حضرت حسینؓ کی شہادت کی علامتیں بنتے ہیں۔ "ساقی نامہ" میں لکھتے ہیں ؎

گل و نرگس و سوسن و نسترن
شہیدِ ازل، لالہ خونیں کفن![۱۵]

لالے کے پیکر میں صحرائے عرب کی سختی اور فضائے بسیط سے نشوونما کی تعلیم ہے۔ بیاباں کی ہوائیں لالے کو سرمستی و رعنائی اور مردانِ حُر کی قوت کو توانائی بخشتی ہیں۔

برخیز و دل از صحبتِ دیرینہ بہ پرداز
با لالۂ خورشید جہاں تاب نظر باز [۱۹]

عزیز احمد، اقبال کی نظم "لالۂ صحرا" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"حیاتی نظام میں لالے اور انسان میں بہت سی قدریں مشترک ہیں۔ دونوں کو کائنات میں اپنی تنہائی کا احساس ہے۔ دونوں میں قدرِ جمال کی نمود مشترک ہے ـــــ اور یہ خودی اور وجدان کے ارتقا کے لیے ضروری ہے۔ دونوں میں جذبۂ پیدائی اور لذتِ یکتائی ہے"۔ [۲۰]

گلستان کی نسبت سے اقبال کچھ اور پیکروں کا اظہار بھی اپنے اشعار میں کرتے ہیں۔ ان میں صیاد، گلچیں، باغباں، خوشہ اور دہقاں وغیرہ کے مرئی پیکر شعری تزئین کا سامان ہیں۔ یہ تمام پیکر جزوی طور پر کسی خاص خوبی کا نشان بن کر شعری حسن کو دوبالا اور شعر کی معنویت میں اضافہ کرتے ہیں اور ذرا سی معنوی ترمیم سے تازہ اور جاندار شعری پیکروں کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں۔

اقبال اپنے اشعار کو ثقافتی ادب کے خوبصورت پیکروں سے بھی آراستہ کرتے ہیں۔ وہ ثقافتی انداز کے پیکر بادہ و سبو، جوشِ جنوں، سوز و ساز، نغمۂ و مضراب، نے اور نے نواز وغیرہ کے استعمال سے شعری معنویت میں حسن اور تاثیر پیدا کر دیتے ہیں۔ ثقافتی پیکر تراشی کے یہ دل کش نمونے کلامِ اقبال کی شاعری کے خاصے بڑے حصے پر محیط ہیں اور بیشتر متحرک اور اثر انگیز ہیں ـــــ ساز، نغمہ اور مضراب وغیرہ سماعت کو متاثر کرتے ہیں اور اقبال کی سمعی پیکر تراشی کا عمدہ نمونہ بن کر سامنے آتے ہیں۔

ثقافتی قسم کے ان پیکروں میں نے کا پیکر خصوصاً قابلِ ذکر ہے۔ نے کے پیکر کا استعمال محض رسمی نہیں بلکہ اقبال نے اس میں بھی نئے معانی سمو کر اس کو ایک خاص علامتی شکل دے دی ہے۔

عابد علی عابد لکھتے ہیں:

نے نوازی مجازاً شعر گوئی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ نے کا سینہ شگاف ہونا بھی شاعر کے سوزِ دروں کا اظہار ہے۔ نے نوازی

کی ترکیب کئی جگہ استعمال ہوئی ہے . . . .

"کوئی دیکھے تو میری نَے نوازی"

فنِ شعر کے متعلق نظریات سے بحث کا آغاز یوں ہوتا ہے ؎

آیا کہاں سے نالۂ نَے میں سرورِ مَے
اصل اس کی نَے نواز کا دل ہے کہ چوبِ نَے

بالِ جبریل کی ایک غزل کا مطلع ہے ؎

وہی میری کم نصیبی وہی تیری بے نیازی
مرے کام کچھ نہ آیا یہ کمالِ نَے نوازی

نَے سینہ شگاف ہے اور اس کی موسیقی سے سوز و گداز کے تصورات وابستہ ہیں ۔ علامہ اقبال بھی اپنے کلام سے سوز و حرارت سے ملنے والوں کے دل میں گرمی پیدا کرنا چاہتے ہیں اور سینہ چاک تو وہ خیر ہیں ہی۔"[۱۸]

اقبال کی شاعری میں تاریخی ،تہذیبی اور جغرافیائی پیکروں کی بھی فراوانی ہے ۔اس نوع کے پیکروں سے اقبال اپنے اشعار کو زیادہ وزن دار بنا دیتے ہیں جس سے شعر کے خارجی حسن اور فکری معنویت میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ تاریخی، تہذیبی اور جغرافیائی قسم کے پیکروں میں جو اقبال کے کلام میں متعدد جگہ بکھرے ہوئے ہیں۔ ان میں طورِ سینا ، یدِ بیضا، سکندر ، رومی، اردشیر، غرناطہ، محمود، ایاز، جیحوں، برہمن وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جو اقبال کی تاریخی تہذیبی پیکر تراشی کے ساتھ شعری و فکری سطح کو بلند کرتے ہیں۔

اقبال کے اس انتخاب میں مشرق و مغرب کے اسماء و اماکن اور ہندوستانی تہذیب کا خاص دخل ہے۔ چند نمونے ذیل کے اشعار میں ملاحظہ ہوں ؎

اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
کہ ہوں ایک جنیدی و اردشیری[۱۹]

مرا بنگر کہ در ہندوستاں دیگر نمی بینی
برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است[۲۰]

اقبال کو اپنے پیغام کے ابلاغ کے لیے بہت سے نئے پیکروں کو تراشنا پڑا۔ گو کہیں مقامات پر پرانے پیکروں کا بھی سہارا لیا ــــ اس لیے ان کی شاعری میں زیادہ تعداد فکری، مذہبی، تاریخی اور تہذیبی پیکروں کی ہے۔ فکری پیکروں میں اقبال کے یہاں وقت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ زمان ان کے فلسفہ کا ایک انفرادی تصوّر ہے۔ ان کے کلام میں اس کے واضح اشارے ملتے ہیں۔ اس غیر مرئی شے کو جو انسان کی گرفت سے باہر ہے۔ اقبال نے ایک مرئی، زندہ اور توانا تصویر بنا کر پیش کیا ہے۔ "پیامِ مشرق" کی نظم "نوائے وقت"[۲۱] اس کی سب سے اچھی مثال ہے۔

اقبال نے شاہین کو قوت و عمل کا مظہر بنایا ہے۔ شاہین کا پیکر اقبال کے ذی روح پیکروں میں بہت زیادہ اہم اور جاندار ہے۔ یہ مرئی پیکر حرکت و عمل اور سعت کوشی کی علامت ہے۔ یہ حیواناتی پیکر تراشی کے ساتھ متحرک پیکر تراشی کا بھی کامل ترین نمونہ ہے ؎

جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ[۲۲]

عزیز احمد نے لکھا ہے:

"شاہین کی بے حد و انتہا وسعتِ پرواز ایک طرح سے حیات کے لیے مناظرِ کائنات کا احتساب ہے۔ پرواز کی وسعت و رفعت میں کمی نہ ہو تو کائنات میں ایسی کوئی شے نہیں جسے تسخیر نہ کر سکے یا جس کا احتساب اس کے امکان سے باہر ہو ــــ شاہین کی ہمت اگر پَر کشا ہو تو سب کچھ زیرِ پر آ سکتا ہے۔"[۲۳]

یہ نیلگوں فضا جسے کہتے ہیں آسماں
ہمت ہو پَر کشا تو حقیقت میں کچھ نہیں
بالائے سر رہا ہے تو نام اس کا آسماں
زیرِ پر آ گیا تو یہی آسماں، زمیں[۲۴]

شاہین کی طرح ایک اور سرگرمِ عمل پیکر اقبال کے یہاں مردِ مومن کا علامتی پیکر ہے۔ یہ پیکر اقبال کا تصوّراتی پیکر ہے۔ شاہین کی بہت سی خصوصیات سے ہم آہنگی کے باعث شاہین کے پیکر کے دھارے مردِ مومن سے جا ملتے ہیں جو اقبال کے تخیّلی پیکروں کا نقطۂ عروج ہے۔ مردِ مومن میں

زور بازو، فقر وغنا، تیز نگاہی، روشن ضمیری، جستجو کی گرمی اور گفتگو کی نرمی وغیرہ، خوبیاں گن کر اقبال اپنے خوابوں کی تجسیم ایک مثالی انسان کی تصویر میں کر دیتے ہیں۔ اقبال کی فکر کے تمام عناصر مردِ مومن کے اس تصوراتی پیکر میں آکر سمٹ جاتے ہیں جو اقبال کے فکر و پیغام کے ابلاغ کی مجسم علامت بن جاتے ہیں ؎

حدیثِ بندۂ مومن دلآویز
جگر پُر خوں، نفس روشن، نگہ تیز [۲۵]

اقبال کے مردِ مومن کی صفات پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر حاتم رامپوری لکھتے ہیں:

"مردِ مومن فقیری میں بادشاہی کرتا ہے اور یہ ایسا فقر ہے جسے دنیا کے بادشاہ خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ یہ عفتِ قلب و نگاہ کا پیکر، مسیح و کلیم کا ہمسر ہوتا ہے اور حقائق اس پر خود بخود منکشف ہوتے ہیں"۔ [۲۶]

اقبال نے اپنی شاعری میں مذہبی اساطیری پیکروں سے بھی بہ ابرفائدہ اٹھایا۔ جبرئیل و ابلیس، خضرؑ، حسینؓ و اسمٰعیلؑ وغیرہ مذہبی اساطیری پیکروں کی آمیزش نے اقبال کے فکر و شعر کو جلا بخشی ہے۔ ہمارے نزدیک اقبال کے تمام تر پیکروں میں زیادہ اہم یہی پیکر ہیں جنھوں نے اقبال کو بالغ نظر، مفکر اور شاعر بنا دیا اور جن کے حسنِ امتزاج سے اقبال کی شاعری میں مومن، عشق، خودی اور بے خودی جیسے لازوال تخیلی پیکر شعر کے سانچے میں ڈھل سکے۔

اقبال کی امیجری کی جہات داخلی طور پر فکر و فن سے مربوط ہیں۔ یہاں ہم نے چند پیکروں کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں ان کے مشرقی، مغربی، مذہبی، اساطیری، فکری، تخیلی، مرئی اور غیر مرئی میں سے چند دائروں کا ذکر کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اپنی فکر کو صحیح تناظر میں پیش کرنے کے لیے اقبال کو اسی قسم کے پیکروں کی ضرورت تھی۔ اس لیے اقبال کائنات کے ہر گوشے سے اس نوع کے پیکروں کا انتخاب کر لیتے ہیں جو ان کے پیغام کے ابلاغ میں معاون ہوں یا بیشتر بسا اوقات وہ پیکروں کے معانی میں ترمیم سے انھیں اپنے فکر اور پیغام کے مطابق بنا لیتے ہیں۔ اقبال کے یہاں فکر و پیغام کی معنویت ان کے ایک مخصوص ذہنی رویے کی بنا پر زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اقبال ہمارے وہ منفرد شاعر ہیں جنھوں نے خیال کے ابلاغ اور موثر ترسیل کے لیے اس فنی صناعی کو بھی بڑی فنکارانہ مہارت کے ساتھ استعمال کیا ہے جس سے ان کے فن کی دنیا ہی نہیں بلکہ ان کی

تصویر آفرینی کی دنیا بھی متنوع ہو گئی ہے۔ ان کے پیغام کی دل کشی میں ان کے پیکروں نے بڑا رول ادا کیا ہے۔ گویا اقبال نے پیکر تراشی کو اپنے پیغام کی ترسیل کا ایک مؤثر ذریعہ بنا کر لافانی بنا دیا ہے۔ یوسف حسین خاں لکھتے ہیں:

> "بڑا اور حقیقی شاعر اپنے دل کی گرمی اور اپنی شعلہ نوائی سے اپنے خیالی پیکروں کو زندۂ جاوید بنا دیتا ہے۔ وہ ان میں اپنی زندگی کے رس کو اس خوبی سے رچا دیتا ہے کہ وہ بھی اس کی شخصیت کی طرح لازوال اور انمٹ بن جاتے ہیں۔"[۲۷]

حواشی

۱۔ اردو غزل میں جدیدیت کی روایت : ڈاکٹر چشتی : ص ۱۲۷

۲۔ Poet Image By C. Levis P.18

۳۔ Encyclopeadea of Americana V.14, P.172

۴۔ Shakespear's Imagery of what it tells us. By Miss Speargeon, P.9.

۵۔ Encyclopeadea of Americana V.14, P.796

۶۔ کلیاتِ اقبال (اردو) : ص ۳۸۵ : مسجدِ قرطبہ

۷۔ ایضاً : ص ۴۳۴ ؛ ذوق وشوق

۸۔ ایضاً

۹۔ کلیاتِ اقبال (فارسی) : ص ۸۳۷

۱۰۔ اقبال ـــ ایک مطالعہ : کلیم الدین احمد ؛ ص ۲۱۰

۱۱۔ اقبال ـــ نئی تشکیل : عزیز احمد ؛ ص ۲۰۹

۱۲۔ کلیاتِ اقبال (فارسی) : ص ۳۰۰

۱۳۔ کلیاتِ اقبال (اردو) : ص ۳۹۷ ؛ طارق کی دعا

۱۴۔ ایضاً : ص ۱۴۵ ؛ بلادِ اسلامیہ

۱۵۔ ایضاً : ص ۴۱۴ : ساقی نامہ

۱۶۔ کلیاتِ اقبال (فارسی) : ص ۲۹۱

۱۷۔ اقبال ـــ نئی تشکیل ؛ ص ۲۱۹

۱۸۔ تلمیحاتِ اقبال : عابد علی عابد ؛ ص ۹۸

۱۹۔ کلیاتِ اقبال (اردو) : ص ۴۰۱ ؛ دین وسیاست

۲۰۔ کلیاتِ اقبال (فارسی) : ص ۴۰۵

۲۱۔ کلیاتِ اقبال (فارسی)؛ ص ۲۵۹ : نوائے وقت

۲۲۔ کلیاتِ اقبال (اردو) : ص ۴۸۷ : ست ایضاً

۲۳۔ اقبال — نئی تشکیل؛ ص ۲۲۴

۲۴۔ کلیاتِ اقبال (اردو): ص ۶۳۸

۲۵۔ کلیاتِ اقبال (فارسی) : ص ۶۷۲

۲۶۔ تصورِ بشر اور اقبال کا مردِ مومن : ڈاکٹر حاتم رامپوری ؛ ص ۳۴

۲۷۔ روحِ اقبال: ڈاکٹر یوسف حسین خاں؛ ص ۲۳